Volume 01, Issue 01,
January-June 2023
PP: 01-08
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

خطبہ حجۃ الوداع اور بنیادی انسانی حقوق

Ḥajjat al-Wadāʿ Sermon and Fundamental Human Rights

Safa Akbar
MPhil Scholar, Department of English Linguistics, The Islamia University of Bahawalpur.
safa.bwp@gmail.com

Abstract & Indexing

WORLD of JOURNALS
DRJI
OPEN ACCESS
Signatory of DORA
ACADEMIA
EuroPub
REVIEWER CREDITS

Abstract

People have the right to live with dignity and live a free life. The Prophet (ﷺ) covered everything from individual rights to collective rights. In his last sermon, He condemned the injustice and oppression of the weaker sections of the society, i.e. women and slaves, and declared them as equal members of the society. The nations were devoid of the clothing of civilization when the Prophet (ﷺ) was announcing the provision of rights to mankind. This announcement of his (ﷺ) was not just a voice raised for rights, but the actions of him (ﷺ) and the later caliphs and princes showed that these rights have the status of constitution and law in the religion of Islam. Any omission in which is considered a punishable crime. This is the reason why the Ḥajjat al-Wadā ʻsermon is the first manifesto of human rights, as well as being superior to the so-called charters and laws in its efficacy and effectiveness. It is necessary to follow all the instructions mentioned in this sermon to protect human rights in the society. Although the state plays a key role in the provision of human rights, the importance of the individual cannot be denied.

Keywords

Sermon, Human Rights, Status, Society, Justice.

Published by:
HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تمہید

خالقِ کائنات نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے بعثتِ انبیاء کا مقدس سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا جس کی آخری کڑی رسالت مآب ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کے اور نبی کے نہ آنے کا عقیدہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ تاقیامت انسانیت کی رہنمائی کی خاطر آپ ﷺ کو اسوہ حسنہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت اور لائے ہوئے دستور کو جامعیت اور عالمگیریت کا امتیاز و شرف حاصل ہے۔ یوں تو آپ ﷺ کی پوری زندگی بالعموم اور نبوی زندگی بالخصوص انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ لیکن اس پوری زندگی میں سے حجۃ الوداع اور اس موقع پر دیا جانے والا خطبہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ خالقِ کائنات نے جس مقصد کی خاطر آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اس کی تکمیل کا باضابطہ اعلان اسی موقع پر ہوا۔ کوہِ صفا سے دعوت و تبلیغ کا شروع ہونے والا سفر جس کی خاطر مصائب و آلام برداشت کیے، جلاوطنی اور ہجرت اختیار کی عین اسی مقام پر باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کی جملہ مساعی کی لاج رکھتے ہوئے تکمیلِ دین و اتمامِ نعمت کا اعلان فرمایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر دیا جانے والا خطبہ 23 سال میں نازل ہونے والے جملہ احکام کے خلاصہ اور لبِ لباب کی حیثیت رکھتا ہے۔ مقصد کی تکمیل کے بعد یہ خطبہ مشفقانہ پند و نصائح سے بھرپور اور ایک ایک پہلو اپنے اندر علوم و معارف کے بیش بہا خزائن کا حامل ہے۔ تمام پہلوؤں کا احاطہ اور جائزہ مختصر سی تحریر میں نہ تو ممکن ہے نہ مطلوب۔ البتہ موضوع کی مناسبت سے بنیادی انسانی حقوق کا پہلو محتاجِ بیان ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع کا پس منظر اور موقع محل

9 ذی الحج 10 ہجری بمطابق 7 مارچ 632 عیسوی بروز جمعۃ المبارک میدانِ عرفات میں کم و بیش ایک لاکھ سے زائد حاضرین کے سامنے دیا جانے والا آپ ﷺ کا خطبہ صفحاتِ تاریخ میں خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطبہ کتبِ حدیث و سیرت میں متفرق و منتشر طور پر موجود ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت کا صحیح طور پر ادراک کرنے کے لیے اس وقت کی تہذیبی و تمدنی صورتحال کا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ جب انسانیت کو ان حقوق سے باور فرما رہے تھے حقوقِ انسانی کے بڑے بڑے علمبردار خطے گوشۂ گمنامی میں تھے۔ دنیا کے جن کونوں سے حقوقِ انسانی کی صدائیں بآوازِ بلند سنائی دیتی ہیں آفتاب تمدن نے ابھی انہیں اپنے نور سے منور ہی نہ کیا تھا۔ البتہ کچھ مقامات پر تہذیب کے آثار ملتے تھے۔ کہیں تہذیب جنم لے رہی تھی تو کہیں زبوں حالی کا شکار تھی۔ بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت تاریخ میں جن تہذیبوں کے نقوش ملتے ہیں ان میں سے ایک چینی تہذیب ہے۔ چینی تہذیب کے کمال اور عروج کا دوران کے مصلح کنفیوشیوس (551 تا 549 ق م) کا ہے۔ لیکن بعثت کے وقت کی صورتحال یکسر مختلف تھی۔ خانہ جنگی کا لامتناہی سلسلہ شروع تھا۔ طویل عرصے کے بعد خانوادہ سوئی (589 تا 618ء) نے جو قلیل المدتی اتحاد قائم کیا ہجرت کے دوسرے برس تک اسکا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ بعد میں امن و امان کی صورتحال قدرے بہتر تو ہوئی لیکن علوم و فنون کی ترقی خواب رہی۔

ہندوستان کا شمار بھی قدیم تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ عہدِ نبوی سے قبل وسط ایشیا کے سفید خان خانوادے کی حکومت تھی لیکن ولادتِ نبوی سے قبل شکست کے بعد اسکا اثر و رسوخ ختم ہو گیا تھا۔ بعد ازاں تھانیسر کے راجہ کا بیٹا ہرش (606ء) مسندِ اقتدار پر براجمان ہوا لیکن 610ء میں فتوحات کے چکر میں دکن کے راجہ پلی کے سن دوم سے شکست کھا بیٹھا۔ اولاد نہ ہونے کے بسبب اس کی موت پر بادشاہت کا اختتام ہوا۔ بعد ازاں صدیوں تک ہندوستانی تہذیب قعرِ مذلت میں بھٹکتی رہی۔ اخلاقی صورتحال کی بات کریں تو طبقاتی و نسلی تفریق اور ہر عظیم الفطرت شئے کے سامنے سربسجود ہونا جس تہذیب کا خاصہ ہو وہ کیونکر انسان کو اخلاقی بلندی اور شعور و فکر کی آگاہی عطا کر سکتی تھی؟

ایران کے حکمران خسرو پرویز کی نامہ مبارک کی گستاخی کے بسبب مشیت ایزدی نے پرویز کی بادشاہت کے ساتھ ساتھ ایرانی تہذیب کو سیاسی، مذہبی اور اخلاقی ہر لحاظ سے نشانِ عبرت بنا ڈالا تھا۔ روم پر ہرقل اعظم (610 تا 641ء) مسندِ اقتدار پر فائز تھا جس کے ماتحت مصر و حبشہ

تھے۔ فرانس کے بادشاہ ڈیگورٹ اول (628 تا 639ء) کے بعد شاہی خاندان اور حکومت ابتری کی جانب گامزن تھی۔ عصرِ حاضر کی سب سے زیادہ مہذب سمجھی جانے والی انگریز قوم تہذیب وتمدن کے حوالے سے خستہ حالی کا شکار تھی۔ قریبی ریاستوں اسکاٹ لینڈ، آئر لینڈ پر وحشی قبائل راج کرتے اور گاہے بگاہے انگلینڈ پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار کا بازار گرم کرتے۔ الجیریا اور مراکش میں بربر قوم آباد تھی جو صنم پرستی کی موذی بیماری میں مبتلا اور کسی مسیحا کی منتظر تھی۔

پوری دنیا میں زندگی رنج والم میں مبتلا اور تہذیب قصہ پارینہ بننے جارہی تھی۔ ایسے میں خالقِ کائنات نے سسکتی بلکتی حیات کو شاداں و فرحاں بنانے، روبزوال تہذیب کو عروج دلانے کی خاطر رحمۃ للعالمین ﷺ کو عرب کے علاقے میں مبعوث فرمایا۔ عرب کی اپنی تمدنی صورتحال کچھ بہتر نہ تھی۔ تہذیب وتمدن کا اس سے ابتر نظارہ اور کیا ہوگا کہ سالہا سال تک چلنے والی جنگِ بسوس کی ابتدائی وجہ محض ایک اونٹنی کا قتل تھا۔ جو قوم اس قدر اجڈ و گنوار اور ذلت وپستی کی چکی میں پس رہی ہو اس کی اصلاح کرنا عین کمال اور انسانیت کی معراج ہے۔ البتہ پوری دنیا کی اصلاح کے مرکز کے طور پر عرب کے انتخاب کی متعدد وجوہ ڈاکٹر حمید اللہ نے بیان کی ہیں لیکن قابلِ ذکر اس علاقے کی مرکزیت اور کسی بھی قسم کے بیرونی تسلط ودباؤ سے آزادی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس خطے سے اقوامِ عالم کی اصلاح اور حقوق کا جو بیڑا اٹھایا حجۃ الوداع کے موقع پر اسے ابدی ودائمی بامِ عروج تک پہنچایا۔

بنیادی انسانی حقوق

انسان مدنی الطبع ہونے کی بنا پر باہم دوسرے انسانوں اور ان کے واسطے سے جانوروں اور پودوں تک کا ضرورتمند ومحتاج ہے۔ ہر انسان اپنی ضروریات، ترجیحات اور مفادات کا تحفظ اور پرامن تکمیل چاہتا ہے چنانچہ اس پر دوسروں کی ضروریات اور مفادات کا تقدس واحترام لازم ہے۔ ایک عام انسان کے لیے انسانی حقوق سے مراد وہ حقوق ہوتے ہیں جو پیدائش سے مرگ تک ہر جگہ ہر وقت بلاامتیاز یکساں طور پر اسے حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں زندگی، آزادی، مساوات اور عظمت سے متعلق ایسے حقوق شامل ہیں جن کے تحفظ کی ضمانت آئین دیتا ہے اور خلاف ورزی موجبِ تعزیر تصور کی جاتی ہے۔ حقوق کی صحیح اور پرامن ادئیگی کے لیے فرائض کا تصور وتعین ناگزیر ہے۔ بدون اس کے حقوق کا راگ الاپنا بے سود ہے۔ اسلام کا بنیادی امتیاز یہی ہے کہ حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کا تعین بھی کرتا ہے جس کے نتیجے میں معاشرے کے ہر فرد کو حقوق میسر آتے ہیں۔

مغرب اور اس کے باسی ہر اچھے اور نیک کام کی ایجاد وابتداء کا سہرا اپنے سر لیتے ہیں سو اس معاملے میں بھی یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ انسانیت کو حقوق کی فراہمی انہی کی مرہونِ منت ہے۔ اگر تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یورپ میں انسانی حقوق کی پیش کردہ تمام دستاویزات وچارٹر خطبہ حجۃ الوداع سے اپنا دامن بھرتے نظر آتے ہیں۔ انسانی حقوق کا اولین سمجھا جانے والا چارٹر میگنا کارٹا ہو یا فرانس کا حقوقِ باشندگاں، انگلینڈ کا بل آف رائٹس ہو یا امریکہ کا لاء آف نیچر سبھی خطبہ حجۃ الوداع کے سامنے تہی دامن ہیں۔ حتیٰ کہ دسمبر 1948 میں اقوامِ متحدہ کا پیش کیا جانے والا انسانی حقوق کا عالمی منشور بھی فکری طور پر ان حقوق کے سامنے بے بس ہے جو انسانیت کو رحمۃ للعالمین ﷺ 1300 سال قبل عطا فرما چکے تھے۔ مزید برآں اس منشور میں یہ سقم اپنی جگہ موجود ہے کہ اس کی حیثیت محض اخلاقی ہے قانونی نہیں۔ خلاف ورزی پر قانون ذرہ برابر حرکت میں نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ حقوقِ انسانی کے بڑے بڑے دعویدار حقوق کی پامالی میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ انسانی مساوات کے قائلین سفید وسیاہ فام کی تفریق سے پیچھا چھڑانے میں قاصر ہیں۔ جہاں مساواتِ مردوزن کی آوازیں زوروشور سے سننے کو ملتی ہیں وہیں صنفِ نازک جنسی وجسمانی تشدد، استحصال اور متعدد معاشرتی محرومیوں کا شکار نظر آتی ہے۔ قیدیوں کے حقوق کے علمبردار ممالک کے زندان وحشیانہ، ظالمانہ، غیر انسانی اور غیر اخلاقی سزاؤں کے منہ بولتے ثبوت ہیں اور ان کے درودیوار چیخ چیخ کر ان کے دوغلے پن کا اعلان کرتے ہیں۔

اس سے یہ بات عیاں ہے کہ اہلِ مغرب عملی طور پر انسانیت کو مساوی حقوق کی فراہمی سے عاجز و قاصر ہیں۔ جبکہ رسالت مآب ﷺ نے حقوق کی آواز اٹھانے کے ساتھ ساتھ مدینہ میں حقوق کی فراہمی کا عملی مظاہرہ کر کے دکھلایا۔ آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر امراء نے مساویانہ حقوق اور عدل وانصاف کی ایسی اعلیٰ مثالیں قائم کیں کہ تاریخ آج تک نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آیئے خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں بنیادی انسانی حقوق کا جائزہ لیتے ہیں۔ خطبہ میں ذکر کردہ انسانی حقوق کو ہم دو بنیادی حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1. شخصی وذاتی حقوق
2. معاشرتی حقوق

شخصی وذاتی حقوق

شخصی حقوق کے ضمن میں آپ ﷺ نے درج ذیل حقوق بیان فرمائے:

- ہر شخص کی جان، مال اور عزت آبرو کے محفوظ ہونے کا حق
- عورتوں کے حقوق
- غلاموں کے حقوق

ہر شخص کی جان، مال اور عزت آبرو کے محفوظ ہونے کا حق

خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے بلا تفریق وامتیاز ہر شخص کو جان، مال اور عزت وعصمت کے تحفظ کا حق دیا۔ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! بلاشبہ تمہارے خون، مال، عزتیں اور اولاد باہم ایک دوسرے کے لیے محترم ہیں۔"[1]

انسانیت کو تکریم واحسن تقویم کا اعزاز اسلام ہی کا عطا کردہ ہے جس سے اہلِ عرب کلی طور پر نامانوس تھے۔ عرب معاشرے کی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے اس حق کی اہمیت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ جہاں انسانی جان بے وقعت وبے معنی ہو، معمولی سی اشتعال انگیزی برسہا برس جنگ وجدال کا بازار گرم رکھتی ہو، دوسرے کا مال لوٹنا چوری کرنا باعث فخر سمجھا جاتا ہو، حقِ عزت سے ناآشنا اور عصمت دری جن کا وطیرہ بن چکا ہو ایسے معاشرے میں انسانیت کو ان حقوق سے آشنا کرنا اور پھر ان کے تحفظ کا اعلان کرنا معاشرے کو یکسر پلٹ دینے کے مترادف تھا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف 23 سالہ نبوی زندگی میں اس پر عمل پیرا ہو کر دکھلایا بلکہ جاتے جاتے ان حقوق کو ابدی ودائمی سند عطا کی جس سے تاقیامت انسانیت مستفیض ہوتی رہے گی۔

عورتوں کے حقوق

عرب معاشرے میں عورت کی حیثیت مرد کی جنسی تسکین اور نفسانی خواہشات کے سامان کے سوا کچھ نہ تھی۔ نہ خاندان اور معاشرہ میں اس کا کوئی مقام تھا اور نہ قانون کوئی تحفظ فراہم کرتا تھا۔ قانون کرتا بھی کیسے؟ جس کی باگ دوڑ ہی مردوں کے ہاتھ ہو جسے وہ جب چاہیں اپنی مرضی سے جس طرف موڑ دیں۔ ایسے میں ان سے عورتوں کے حقوق کی امید دیوانے کا خواب ہی تھی۔ بیٹیوں کا باعثِ عار سمجھتے ہوئے زندہ درگور کیے جانا، بچ بھی جائے تو ساری زندگی نفرت وحقارت کا شکار رہنا اسی معاشرے کا خاصہ تھا۔ ماؤں، بہنوں کے احترام سے بے بہرہ اور بیویوں کے حقوق سے ناواقف قوم میں رب العالمین نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو مبعوث فرمایا جس کی رحمت کا حصہ صنفِ نازک کے حق میں یہ آیا کہ اسکا وجود باعثِ رحمت وشفقت اور اس کا ہر ہر روپ معزز ومحترم ٹھہرا۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی اس بات کا عملی نمونہ تھی۔ آپ ﷺ کے

حسنِ سلوک، حقوق کی ادائیگی، دیگر عورتوں کو عزت دینا، نیز اپنی رضاعی بہن شیماسے آپ کا والہانہ لگاؤ کتبِ سیرت میں محفوظ ہے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ایک عورت کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے پوری اسیر قوم کی رہائی کا پروانہ جاری کیا گیا۔ اس امر سے بھی تاریخ کو انکار نہ ہو گا کہ کافر عورت کے ننگے سر کو ردائے رحمت سے ڈھانپا گیا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے عورتوں کے حقوق کو ابدی و دائمی منشور کا حصہ بناتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! تمہاری عورتوں کا تم پر ایسا ہی حق ہے جیسا کہ تمہارا ان پر۔ یقیناً وہ تمہارے پاس مقید ہیں اپنی ذات کے لیے کسی چیز پر قادر نہیں۔ بلاشبہ تم نے ان کو اللہ کی امان کے طور پر حاصل کیا ہے اور انہیں اللہ کے حکم سے اپنے اوپر حلال کیا ہے۔ لہٰذا ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے بارے بھلائی کی وصیت قبول کرو"[2]

اپنے خطبہ میں آپ ﷺ نے عورتوں کو زندگی، عزت و آبرو کا تحفظ دینے کے ساتھ ساتھ معاشی حقوق بھی عطا فرمائے۔ ان کے نان، نفقہ اور سکنی کی ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی۔ اس کے بدلے عورتوں کے کچھ فرائض کا تعین بھی کیا۔ یوں حقوق و فرائض کا حسین اور معتدل معیار وضع فرمایا۔

غلاموں کے حقوق

غلام عرب معاشرے کی لازمی اکائی اور سب سے کمتر اور مظلوم طبقہ تصور کیا جاتا تھا۔ نہ اس کی خوراک کا خیال رکھا جاتا اور نہ آرام کا۔ مزید برآں اس پر ہر قسم کا ظلم اور زبردستی روا سمجھی جاتی۔ اسلام نے اس ضعیف طبقے پر رحمت اور نرمی کے بہت سے اقدامات کیے۔ اول تو مختلف دینی کوتاہیوں کے کفارہ میں تحریر رقبۃ کی شق شامل کر کے ان کی آزادی کا راستہ ہموار کیا۔ نیز غلام آزاد کرنے کے فضائل بیان کر کے لوگوں کو ترغیب دلائی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان پر نرمی، بنیادی ضروریات کا خیال اور طاقت سے زیادہ کام نہ لینے کا حکم دے کر آسانی کا سامان پیدا کیا۔ اپنے خطبہ میں آپ ﷺ نے اس مجبور و مقہور طبقہ کے حقوق کا واضح الفاظ میں اعلان فرمایا:

"تمہارے غلام اور تمہارے غلام، ان سے حسنِ سلوک کرو۔ جو تم کھاتے ہو اسی میں سے انہیں کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو اسی میں سے انہیں پہناؤ۔ اگر ان سے ایسی غلطی ہو جائے جسے تم معاف نہیں کر سکتے تو اللہ کے بندو انہیں فروخت کر دو مگر انہیں بھیانک سزا نہ دو۔ اور میں باندیوں کے بارے میں بھی حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں سو انہیں وہ کھلاؤ اور پہناؤ جو خود کھاتے اور پہنتے ہو۔"[3]

معاشرے کے اس کمزور طبقے کا آپ ﷺ کو اس قدر خیال تھا کہ آخری لمحات میں بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور نرمی کی تلقین فرماتے رہے۔ عالمی حالات کے موجودہ تناظر میں اگرچہ غلامیت کا تصور معدوم ہو چکا ہے البتہ آپ ﷺ کی جاری کی گئی ان ہدایات سے ہم اپنے ماتحت ملازم افراد اور مزدور طبقہ کے لیے سبق اخذ کر سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک سے پیش آیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے مال سے ان کی خوراک، لباس اور رہائش کا انتظام کیا جائے۔

معاشرتی حقوق

اپنے خطبہ میں آپ ﷺ نے شخصی حقوق کے ساتھ معاشرتی حقوق بھی ذکر کیا۔ ان حقوق کی ادائیگی معاشرے کی تعمیر و تطہیر، امن و آشتی اور بقا و سلامتی کی ضامن ہے۔ معاشرتی حقوق تین طرح کے حقوق کا مجموعہ ہے:

- اجتماعی حقوق
- قانونی حقوق
- معاشی حقوق

اجتماعی حقوق

اجتماعی حقوق کے حوالے سے دو امور قابلِ ذکر ہیں:

- اجتماعی معاملات میں امانت و دیانت
- سماج اور معاشرے میں مساوی مقام

اجتماعی معاملات میں امانت و دیانت

معاشرتی معاملات میں امانت و دیانت ایسا وصف ہے جو معاشرے میں امن اور خوشحالی کی فضا قائم کرتا ہے۔ دوسری جانب بد دیانتی معاشرے کے بگاڑ اور فساد کا سبب بنتی ہے۔ امانت و دیانت کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ تمام شعبہ ہائے حیات کے صحیح ڈگر پر رواں رہنے کے لیے امانت و دیانت لازم ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"جس کسی کے پاس امانت ہو اسے چاہیے کہ اس کو ادا کرے، قرض ادا کیا جائے اور عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے۔"[4]

آپ ﷺ کا یہ ارشاد تحفظِ اموال کے ساتھ ساتھ حقِ ملکیت بھی آشکارا کرتا ہے۔

سماج اور معاشرے میں مساوی مقام

اگر ہم عرب معاشرے پر نظر ڈالیں تو ہر طرف نسلی تفاخر، طبقاتی تقسیم اور عدمِ مساوات کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ شریف و کمتر، معزز و مذل، امیر و غریب اور بلند و پست کی طبقاتی تقسیم معاشرے کے لیے سمِ قاتل تھی۔ قصاص کے بارے اہلِ عرب کا نظریہ نسلی تقسیم کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ شریف اور معزز مقتول کا خون اسی جیسے معزز و شریف کے خون سے دھویا جاسکتا ہے۔[5] اسلام نے اس طبقاتی تقسیم کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے تمام بنی نوع انسان کو برابر حیثیت عطا کی۔ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے اس بات کا اظہار کیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام فرسودہ رسوم و رواج کے خاتمے کے ساتھ ساتھ مساواتِ انسانی کو ابدی و دائمی منشور کا حصہ بنایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے۔ تم سب کا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں سوائے تقویٰ کے۔"[6]

آپ ﷺ کے اس اعلان نے نسلی تفاخر و قومی تعصب میں مبتلا معاشرے کو پاک کر کے ہر فرد کو معاشرے کا مساوی رکن قرار دیا۔

قانونی حقوق

قانون وہ حدِ فاصل ہے جو معاشرہ اور اس کے افراد کے مابین توازن و اعتدال قائم رکھنے کی خاطر طے کی جاتی ہے۔ قانون کی بالادستی معاشرے کے استحکام جبکہ لاقانونیت تباہی کا سبب بنتی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں قانون کے حوالے سے دو نکات اہم ہیں:

- نفاذِ قانون میں مساوات
- حصولِ انصاف کا حق

نفاذِ قانون میں مساوات

طبقاتی تقسیم ہی لاقانونیت یا قانون میں امتیاز کو جنم دیتی ہے۔ جس معاشرے میں نسلی تفاخر رچ بس گیا ہو وہاں قانونی مساوات

کیونکر ہو سکتی ہے؟ سو نفاذِ قانون میں برابری کی خاطر پہلا اقدام طبقاتی تقسیم کے خاتمے کی شکل میں کیا گیا۔ بعد ازاں قانون کی برابری ہر ایک کے لیے لازمی قرار دی گئی۔ قانون میں برابری کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہو گی کہ رسالت مآب ﷺ اپنی لختِ جگر فاطمہ کے بارے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر وہ بھی چوری کرتی تو ربِ محمد کی قسم میں اس کا ہاتھ بھی کاٹتا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے ہر قسم کی لاقانونیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"قتلِ عمد پر قصاص ہے۔ شبہ عمد وہ ہے جو لاٹھی یا پتھر سے کیا جائے۔ اس میں سو اونٹ دیت ہے اور جس نے زیادتی کی وہ اہلِ جاہلیت میں سے ہے۔"[7]

بغیر کسی قسم کی تفریق کے ایک مقررہ اصول کی نشاندہی اور اس میں کسی قسم کی افراط و تفریط کو رسمِ جاہلیت سے تعبیر کرنا اس بات کا واضح اعلان ہے کہ قانون سب کے لیے برابر اور یکساں ہے۔ جرم کی صورت میں مجرم بلا امتیاز نسل و مذہب برابر سزا کا سزاوار ہے۔

حصولِ انصاف کا حق

خطبہ میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"سنو! اب مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہو گا۔ یاد رکھو! اب نہ باپ کا بدلہ بیٹے سے لیا جائے گا اور نہ بیٹے کے بدلے باپ پکڑا جائے گا۔"[8]

آپ ﷺ کا یہ اعلان انسانیت کے آئینی و عدالتی سطح کے حقوق کو واضح کرتا ہے۔ اس ارشاد کے ذریعے آپ ﷺ نے انسانیت کو بلاوجہ ظلم و تشدد کا شکار ہونے سے بچایا۔ ہر نفس کے عمل کی ذمہ داری اسی پر ڈالی۔ چنانچہ اس شق کی رو سے اگر کسی کے جرم کے بدلے اس کے کسی عزیز کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے تو مذہب اور آئین اسے حق فراہم کرتا ہے کہ وہ حصولِ انصاف کی آواز بلند کرے اور اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کے خلاف چارہ جوئی کرے۔ رنگ و نسل، قوم و ملت کسی قسم کی تفریق کے بغیر تمام انسانیت کا یہ دائمی حق ہے جس کا اعلان نبی امی ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر فرما چکے۔

معاشی حقوق

معاش اور معاشیات اسلام کی جملہ تعلیمات کا ایک نہایت اہم باب ہے۔ معاش ہی پر معاشرے کا قیام و دوام موقوف اور بنیادی ضروریات کے حصول سے لے کر اہم دینی فرائض کی تکمیل منحصر ہے۔ مال کی فراوانی جہاں سہولت و آسائش کا باعث بنتی ہے وہیں اس کا فقدان یا کمیابی تنگی کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی معاشرتی و اخلاقی برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ البتہ یہ امر اپنی جگہ مسلم ہے کہ مال کی محبت میں منہمک ہو کر دین سے بے گانہ ہو جانا اور شرعی احکام یکسر نظر انداز کر دینا خلافِ شریعت ہے۔ شرعی حدود و قیود کی رعایت رکھتے ہوئے مال کے حصول کی کوشش نہ صرف محمود بلکہ سنتِ انبیاء ہے۔ مال کی اسی اہمیت کی بنا پر عوام الناس کے معاشی حقوق کو آپ ﷺ نے بطور خاص اپنے خطبہ کا موضوع بنایا۔ معاشی حقوق کے حوالے سے درج ذیل نکات اہم ہیں:

- معاشرے کے معاشی استحصال کی بدترین صورت ربا ہے جس کا ارتکاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ کے مترادف ہے۔ کسی بھی معاشرے کی معیشت کے لیے ربا سمِ قاتل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں جاہلیت کے تمام مروجہ سودی معاملات کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور اس کی ابتداء اپنے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ربا کو کالعدم قرار دے کر کی۔[9]
- خطبہ میں آپ ﷺ نے امانت، قرض اور ادھار کی بروقت اور صحیح ادائیگی کا حکم دیا۔[10] قرض اور ادھار میں اگرچہ محتاج کی مدد کا پہلو پایا جاتا ہے لیکن یہ نافعیت مقررہ وقت پر ٹھیک ٹھیک ادائیگی سے مشروط ہے۔ عدم ادائیگی یا ٹال مٹول سے کام لینا نہ صرف تنازعات کو جنم

دیتا ہے بلکہ اس کے نتیجے میں مالدار افراد کا قرض اور ادھار سے ہاتھ کھینچ لینا حاجتمند کے لیے مشکلات کا سبب بن سکتا ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے جہاں قرضِ حسنہ کے فضائل بیان فرما کر ترغیب دلائی ہے وہیں بروقت واپسی کا حکم اور ٹال مٹول کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ معاشرے کے کمزور طبقہ کی ضروریات بھی پوری ہو سکیں اور لوگوں کے اموال بھی محفوظ رہیں۔

- آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ان تمام ذرائع کا سدباب فرمایا جو ضیاعِ اموال کا سبب بنتے ہیں۔ مثلاً چوری سے منع فرمایا، ناپ تول میں کمی سے روکا، کسی کی دلی رضا کے بغیر اس کا مال کھانے یا استعمال سے منع کیا۔[11] یعنی جو امور معیشت اور اموال الناس کے لیے خطرے کے طور پر رواج پا سکتے ہیں اپنے خطبہ میں ان کا سدباب فرمایا اور یوں انسانیت کو مساوی طور پر معاشی حقوق کی فراہمی کا اعلان کیا۔

نتیجہ بحث

مختصر یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں انفرادی حقوق سے لے کر اجتماعی حقوق سب کا احاطہ کیا۔ لوگوں کو عزت سے جینے اور آزادانہ زندگی گزارنے کا حق دیا۔ معاشرے کے کمزور طبقوں یعنی عورتوں اور غلاموں پر ہونے والے ناروا ظلم و ستم کی نفی کرتے ہوئے ان کو معاشرے کا برابر رکن قرار دے کر حقوق مرحمت کیے۔ موجودہ دور کی مہذب اقوام تب تہذیب کے لباس سے عاری تھی جب رحمۃ للعالمین ﷺ انسانیت کو حقوق کی فراہمی کا اعلان فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ اعلان صرف ایک آواز نہیں تھی جو حقوق کے لیے اٹھائی گئی بلکہ آپ ﷺ اور بعد کے خلفاء و امراء کا عمل اس بات کا مظہر تھا کہ دین اسلام میں یہ حقوق آئین و قانون کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں کوتاہی قابلِ تعزیر جرم متصور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع حقوقِ انسانی کا اولین منشور ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی افادیت اور تاثیر میں نام نہاد چارٹرز اور قوانین سے فائق اور امر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس خطبہ میں ذکر کی گئی جملہ ہدایات پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ میں حقوقِ انسانی کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا جائے۔ انسانی حقوق کی فراہمی میں کلیدی کردار اگرچہ ریاست کا ہے لیکن فرد کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ ہر فرد اپنے دائرہ کار کی حد تک اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ یوں معاشرہ پر امن اور ریاست مستحکم و مضبوط ہوتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1 ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، (بیروت: دار المعرفۃ، سن ندارد)، 2/603۔

2 حمید اللہ، ڈاکٹر، رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، (لاہور: نگارشات پبلشرز، 2013ء)، ص294۔

3 نثار احمد، ڈاکٹر، خطبہ حجۃ الوداع: حقوقِ انسانی کا عالمی منشور، (لاہور: بیت الحکمت، 2005ء)، ص179۔

4 ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، 2/603۔

5 جواد علی، ڈاکٹر، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 2001ء)، 4/542۔

6 حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص293۔

7 ایضاً۔

8 نثار احمد، خطبہ حجۃ الوداع، ص177۔

9 دیکھیے: حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص293۔

10 دیکھیے: نثار احمد، خطبہ حجۃ الوداع، ص177۔

11 ایضاً۔